ایک تحقیقی مقالہ

از جناب مولانا عبدالشکور صاحب
صدر شعبہ اسلامیات، پشاور یونیورسٹی

# جنگ کا اسلامی ضابطہ

جنگ وجدال کا سلسلہ انسان کی ابتدائے آفرینش سے شروع ہے۔ بلکہ یہ انسانی طبیعت اور فطرت کا خاصہ ہے۔ یہی سبب ہے کہ انسان کے وجود میں آنے سے قبل ہی فرشتوں نے بارگاہِ ایزدی میں یہ درخواست کی تھی۔ "اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفک الدماء"[1]، کیا آپ زمین میں ایسے کو پیدا کرتے ہیں۔ جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خونریزی کرے گا؟ فرشتوں کو یہ علم انسان کی ساخت و پرداخت کو دیکھ کر ہوا تھا۔ اس میں جنگ و جدال کی علامات خوب نمایاں تھیں۔

جنگ وجدال انسان کے فطری اخلاق غضب و شہوت کی پیداوار ہے۔ حقیقت میں یہی اخلاق انسانی بقا کے ضامن ہیں۔ انہی اخلاق کی بدولت انسان تنازع للبقاء کے جذبہ سے سرشار ہے۔ یہی انسان کی تعمیری صلاحیتوں کے سرچشمہ ہیں۔ اس عالم رنگ و بو کی یہ تمام رونق انہی قوتوں کی مرہونِ منت ہے، یہ تو ایک پہلو ہے، دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہی قوتیں جب بے اعتدالی کا شکار ہو جاتی ہیں تو یہ فساد کو جنم دیتی ہیں، خود غرضی کا سبب بنتی ہیں اور خود غرضی نارواکشت وخون کا سبب بنتی ہے۔ پھر یہ قابیل کا روپ دھار لیتی ہے اور اپنے بھائی ہابیل کے گلے پر چھری پھیرتی ہے۔ اسلام کا منشاء یہ ہے کہ غضب و شہوت کی قوتوں کو اعتدال پر رکھ کر تعمیر کے لئے کام میں لائی جائیں۔

اسلام کی آمد کے وقت جنگوں کی جو شکلیں قائم تھیں اور ان کے جو اسباب و محرکات تھے۔ ان کے پیش نظر جنگ صرف اور صرف تباہی و بربادی اور نسلِ انسانی کے استیصال کا پیش خیمہ تھی۔ چنانچہ اس وقت انسانی آبادی دو حصوں پر منقسم تھی۔ کہیں قبائلی زندگی تھی۔ جہاں کوئی باقاعدہ حکومت نہیں تھی۔ ہر قبیلہ کا اپنا نظام تھا۔ ایسے لوگوں کی جنگیں افراد کے سبب چھڑ جاتی تھیں اور پھر ان میں قبائل ملوث ہو جاتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ کسی قبیلہ کا سردار اپنے غرور و نخوت، بڑائی، رعب و دبدبہ اور شان و شوکت کے اظہار کے لئے معمولی معمولی باتوں پر الجھ جاتا تھا اور میدانِ کارزار گرم کرتا تھا، جس میں اس کا قبیلہ اور حلیف قبائل شریک ہو جاتے۔ پھر وہ جنگ سالہا سال تک قائم رہتی۔ اور انتقام در انتقام کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا۔ جہاں جہاں قبائلی نظام تھا وہاں جنگ کا یہی حال تھا۔

عرب جو اسلام کا مطلع ہے وہاں کی زندگی بھی قبائلی تھی۔ عربوں کی حالت یہ تھی کہ جنگ ان کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ اور جنگجو ہونا ان کا سرمایۂ افتخار تھا۔ جیسے ایک عرب شاعر کہتا ہے۔[2]

وانی لا ازال اخا حروب      اذا لم اجن کنت مجن جان

"یعنی میں تو جنگجو ہوں۔ ہمیشہ لڑائیوں میں گھرا رہتا ہوں۔ اگر کبھی خود ظلم نہیں کرتا تو ظالموں کا سپر بن جاتا ہوں۔"

---

[1] سورہ بقرہ پ۱ [2] باب الحماسی

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ان قبائل جنگوں کے اسباب نہایت معمولی ہوتے تھے یا لوٹ مار، سلب و نہب کی غرض سے ہوتی تھیں یا پھر اپنے سرِ غرور کو اونچا رکھنے کے لئے۔ مثلاً حرب[1] داحس و غبراء نے صرف ایک گھوڑے کے بھڑکانے پر تمام عرب میں آگ لگا دی۔ عرب کے دو قبیلے عبس اور ذبیان تھے۔ ایک کا سردار قیس ابن زہیر اور دوسرے کا حمل بن بدر تھا۔ داحس قیس کا گھوڑا تھا اور غبراء حمل کی گھوڑی تھی۔ دونوں کے درمیان دوڑ کا مقابلہ ۱۰۰ اونٹوں کی شرط پر باندھا گیا۔ حمل نے چند آدمیوں کو مقرر کیا تھا کہ اگر قیس کا گھوڑا داحس گول پر پہلے پہنچتا ہے تو اس کا منہ گول سے پھیر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس پر ان قبائل کے درمیان چالیس برس تک جنگ ہوتی رہی۔ اس جنگ میں بہت سے لوگ مارے گئے۔ حمل کا بھائی حذیفہ بن بدر مارا گیا۔ اس کے ساتھ جو سلوک کیا گیا تہذیب اس کے بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔[2]

حرب بسوس بکر بن وائل اور تغلب بن وائل کے درمیان ۱۰۰ سال تک جنگ جاری رہی۔ قبیلہ بکر کا سردار کلیب تھا وہ بڑا مغرور تھا۔ اس نے یہ پابندی عائد کی تھی کہ جب اس کے مویشی پانی پینے کے لئے گھاٹ پر پہنچیں تو کسی اور کے مویشی ان کے ساتھ ملنے نہ پائیں۔ چنانچہ بسوس نامی ایک عورت کی اونٹنی "سراب" ایک دن کلیب کے مویشیوں کے ساتھ گھاٹ پر پہنچی۔ کلیب نے دیکھا تو تیر نکال کر اس کے تھن کو نشانہ بنایا، اس کے تھن کو چیر ڈالا۔ اونٹنی زخمی حالت میں گھر پہنچی۔ بسوس نے اپنی اونٹنی کی یہ حالت دیکھی تو چادر پھاڑتے ہوئے چلا اٹھی کہ یہ کتنا ذلت آمیز سلوک ہے۔ ہائے حقِ پناہ ادا کیا جائے۔ وہ تغلب بن وائل کے سردار جساس کے گھر میں اور اس کی پناہ میں رہتی تھی۔ جساس کلیب کا سالا تھا۔ اس نے فوراً ہتھیار باندھے اور کلیب پر حملہ آور ہوا۔ اس کو قتل کیا۔ اس بات پر ان قبائل میں ۱۰۰ برس تک جنگ ہوتی رہی۔[3]

اس وقت کی متمدن حکومتیں ایران اور روم تھیں۔ مدائن سے قسطنطنیہ تک کی زمین ان دو بڑی شہنشاہیوں کی جوع الارض کا لقمہ بنی ہوئی تھی۔ تہذیب پامال ہو رہی تھی، شرافت سر پیٹ رہی تھی، انسانیت خون کے آنسو بہا رہی تھی مگر شہنشاہیت کا سرِ غرور اونچا ہو رہا تھا۔ وہ ان بربادیوں کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی، آبادیاں اجڑ رہی تھیں، گھر لٹ رہے تھے، کھیتیاں پامال ہو رہی تھیں۔ مگر انسانوں کی کھوپڑیوں پر قصرِ قیصری و ایوانِ کسروی کی شاندار بنیادیں اٹھائی جا رہی تھیں۔

ارضِ فلسطین مذہبی انانیت کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ یہود کہتے تھے نحن ابناء اللہ واحباءہ، "ولیست النصاریٰ علیٰ شیٔ" اور عیسائی کہتے تھے "ولیست الیہود علیٰ شیٔ"۔ اس مذہبی منافرت کے جذبے سے سرشار ہو کر نصرانی حکومت یہودیوں کے ساتھ غلاموں کا سا برتاؤ کرتی تھی۔ یہودیوں کی ملی وجود سے منکر تھی۔ چنانچہ ۷۰ء میں عیسائی بادشاہ ٹیٹس نے بزورِ شمشیر یروشلم کو فتح کیا۔ اس موقعہ پر قتلِ عام میں ایک لاکھ ۳۳ ہزار یہودی مارے گئے۔ ۷۵ ہزار گرفتار کر کے غلام بنائے گئے۔ ہزارہا یہودیوں کو پکڑ پکڑ کر مصری کانوں میں کام کرنے کے لئے بھیج دیا گیا۔ ہزاروں کو پکڑ کر دوسرے شہروں میں بھیج دیا گیا تاکہ ایمفی تھیٹروں اور کلوسیموں میں جنگلی جانوروں سے پھڑوانے یا شمشیر زنوں کے کھیل کا تختۂ مشق بننے کے لئے استعمال کیا جائے۔ تمام دراز قد اور حسین لڑکیاں فاتحین کے لئے چن لی گئیں۔ اور یروشلم کے شہر

---

[1] الحرب فی القرآن۔ مولانا ابو الاسلام آزاد [2] عقد الفرید جزء خامس [3] ایضاً

اور ہیکل کو مسمار کر کے پیوندِ خاک کر دیا گیا[1]

یہودیوں نے شہر صور کا محاصرہ کر کے ہزاروں عیسائیوں کو تہ تیغ کیا۔ یہی نہیں بلکہ جنگ روم وایران میں ایرانیوں کے ہاتھوں قید ہونے والے اسی ہزار قیدیوں کو خرید کر کے ان کے خون سے اپنی آتشِ انتقام کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو سرد کیا[2]

ان جنگوں کے مقاصد ظاہر ہے کہ بہت پست تھے۔ ان کے لئے ضابطہ اخلاق تو درکنار سرے سے کوئی ضابطہ ہی نہیں تھا۔ اگر کچھ تھا تو یہی کہ دشمن کو ہر طرح سے نیست و نابود کیا جائے۔ یہاں تک کہ دشمن کے شیر خوار بچوں کو بھی بیدریغ تہ تیغ کیا جاتا تھا۔ اسلام نے جنگ کو ذریعۂ رحمت بنایا، زمین کو فتنہ و فساد سے پاک کرنے، ظلم، عدوان و سرکشی کے انسداد، زیردستوں کو زبردستوں کی چیرہ دستیوں سے نجات دلانے، عبادت گاہوں اور دیگر مقدس مقامات کی حفاظت کا وسیلہ قرار دیا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے "ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض ولکن اللہ ذو فضل علی العلمین[3]"۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں (یعنی ظالموں) کو دوسرے لوگوں کے ذریعے دفع نہ کرتے تو زمین فساد سے بھر جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ عالمین پر بڑا مہربان ہے ــــ اس کی مہربانی کا تقاضا ہے کہ جب کوئی زمین میں فساد پھیلانا شروع کرتا ہے اور اس کی مخلوق کو اذیت دینے لگتا ہے، تو اس کے توڑ کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ دوسرے کو کھڑا کر دیتا ہے۔ وہ طاقت کے بل بوتے پر اس کے شر کو دفع کرتا ہے۔ سورۂ حج میں ہے ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوٰت ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا[4]۔ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجے اور معبد اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے مسمار کر ڈالیں ــ جس آیت کے ذریعے مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی تھی اسی میں جنگ کا مقصد یہ بیان ہوا ہے[5]۔ اذن للذین یقٰتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ"۔ جن مومنوں کے خلاف ظالموں نے جنگ کر رکھی ہے اب انہیں بھی جنگ کی رخصت دی جاتی ہے۔ کیونکہ ان پر سراسر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔ یہ وہ مظلوم ہیں جو بغیر کسی حق کے اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے ہیں۔ ان کا جرم اگر کچھ تھا تو فقط یہی کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔

سورۂ نساء رکوع ۱۰ کی آیت ہے "وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا ہ"۔ اور تمہیں کیا ہوا ہے؟ کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرنے سے گریز

---

[1] تفہیم القرآن جلد دوم [2] محمد المثل الکامل جاد مولیٰ بک مصری [3] سورۂ بقرہ پ۲، آخری رکوع
[4] سورۃ الحج

کرتے ہو۔ جب کہ کمزور مرد، عورتیں اور بچے کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگا ہمیں اس آبادی سے نکال دیجئے جہاں کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے لئے اپنی طرف سے معاون و مددگار کھڑا کر دیجئے" یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اسلام کی نظر میں جنگ کا مقصد ظلم کا انسداد ہے۔

یہی نہیں بلکہ اسلام نے جنگ کو عبادت قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ والذین آمنوا یقاتلون فی سبیل اللہ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت [۱] ۔ مومن اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور کافر شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں " اس لئے تکمیل عبادت کے سلسلے میں جتنی اخلاقی اور قانونی پابندیاں ہو سکتی ہیں۔ وہ تمام جنگ کے بارے میں عائد کی گئی ہیں۔ چونکہ اسلام کی نظر میں جنگ کا مقصد فریقِ مخالف کی اصلاح اور ہدایت ہے۔ اس لئے جگہ جگہ ارشاد ہوا ہے۔ لعلھم ینتھون ۔ لعلھم یذکرون۔ شاید فریقِ مخالف فساد برپا کرنے سے رک جائے۔ شاید وہ عبرت حاصل کرے۔

جنگ کا اسلامی تصور قتال لا مقصد ہے۔ اس لئے حصولِ مقصد کے بعد جنگ جاری رکھنا منع ہے۔ ارشاد ہے فان انتھوا فلا عدوان [۲]" قرآنِ حکیم کا حکم ہے کہ اگر جنگ کے دوران دشمن سے ایسی علامت ظاہر ہو جائے جو اس کے جنگ سے کنارہ کش ہونے کی دلیل ہو۔ تو پھر اس پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے بلکہ اسے پناہ دی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے " ولا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مومنا [۳]" اور جو تمہیں سلام کرے جو اس وقت مسلمانی کا شعار (PASS WORD) تھا۔ تو تم اسے نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں۔ بلکہ اسے مسلمان سمجھو اور اسے قتل نہ کرو، نہ اس کے مال کو چھین لیا کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے پوچھا کہ اگر میدانِ جنگ میں میرا سامنا ایک کافر کے ساتھ ہو جائے اور ہم ایک دوسرے پر تلواریں چلانے لگیں۔ اس دوران وہ میرا ایک ہاتھ کاٹ ڈالے۔ پھر مجھ سے ایک درخت کی اوٹ میں پناہ لے اور کلمہ پڑھے۔ تو کیا اس کے بعد میں اسے قتل کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ! اس نے جو میرا ہاتھ کاٹ لیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ کلمہ پڑھنے کے بعد تم اسے قتل نہیں کر سکتے۔ اگرچہ اس نے تمہارا ہاتھ کاٹ لیا ہو۔ اور اگر اس کے بعد قتل کرو گے تو تم اس مرتبہ میں پہنچ جاؤ گے جو اس کلمہ پڑھنے سے پہلے اس کا تھا۔ اور وہ اس درجہ میں پہنچ جائے گا جو اسے قتل کرنے سے قبل تمہارا تھا [۴]۔ ایک غزوہ میں حضرت خالد نے ایسے ہی شخص کو قتل کیا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو حضرت خالدؓ سے سختی سے جواب طلبی کی۔ اور اپنی ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑا کر دعا کی کہ یا اللہ! یہ خالدؓ کا عمل ہے، تیرا رسولؐ اس سے بری ہے [۵]۔

چونکہ اسلام میں جنگ کو مقصدیت حاصل ہے۔ اس لئے اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مقصد کو کم از کم خونریزی

---

[۱] سورۂ نساء۔ [۲] سورۂ بقرہ۔ [۳] سورۂ نساء۔ [۴] بخاری شریف کتاب المغازی
[۵] بخاری شریف، کتاب المغازی۔

کر کے حاصل کیا جائے۔ چنانچہ عہدِ نبویؐ کی حروب پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت بخوبی عیاں ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں چھوٹی بڑی کل اسّی جنگیں ہوئیں۔ جن میں مقتولین کی کل تعداد ۱۰۱۸ ہے۔ ان میں مسلمان مقتولین کی تعداد ۲۵۹ اور کفار مقتولین کی تعداد ۷۵۹ ہے[۱]۔

اس کے برعکس پہلی جنگ عظیم ۱۸-۱۹۱۴ء میں مقتولین کی تعداد ۷۴ لاکھ ہے۔ دوسری عالمی جنگ میں بقول علامہ افغانی مقتولین کی تعداد چھ کروڑ۔ ناکارہ ہونے والے افراد کی تعداد تقریباً ڈھائی کروڑ۔ اور دولت اتنی ضائع ہوئی کہ اگر تمام دنیا کے لوگوں پر ۲۰۰ روپیہ ماہوار فی خاندان کے حساب سے خرچ کی جاتی تو سو سال کے لئے کافی تھی[۲]۔ یہ تو عالمی جنگ تھی۔ ویت نام کی جنگ ابھی ابھی ختم ہوئی ہے۔ اس میں امریکہ کا نقصان ۔ ۵۶ ہزار فوجی ہلاک، ۱ ۱/۲ لاکھ امریکی اپاہج، ایک کھرب امریکی ڈالر خرچ ہوئے۔ گولہ بارود اتنا خرچ ہوا کہ اس کی مقدار دوسری جنگ عظیم میں خرچ شدہ گولہ بارود سے زیادہ ہے۔ ۲ ۱/۲ لاکھ جنوبی ویت نامی ہلاک ہوگئے[۳]۔

چونکہ جنگ کو اسلام میں عبادت کا درجہ حاصل ہے اس لئے جنگ میں شریک افراد پر نیت صالح، خلوصِ قلب، رضاء حق کی طلب، تقویٰ، طہارت، خوفِ خدا، امانت و صداقت، عصمت و عفت اور ایفائے عہد کی پابندی لازم ہے۔ قرآن کریم نے مجاہدین کو مختلف پیرایوں میں ان اوصاف سے متصف ہونے کا حکم فرمایا ہے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان اوصاف پر کاربند رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ یہی سبب ہے کہ صحابہ کرامؓ ان اوصافِ جمیلہ کے پیکر تھے۔ چنانچہ جب رومی حکومت کا ایک جاسوس مسلمان فوج کی حالت معلوم کرنے کے لئے آیا، کچھ وقت رہنے اور حالات معلوم کرنے کے بعد جب واپس چلا گیا تو اس نے اپنی رپورٹ پیش کی جس میں مسلمان فوجیوں کے اوصافِ جمیلہ اور اخلاقِ حسنہ کی تفصیل تھی۔ اور آخر میں اپنی طویل رپورٹ کا خلاصہ ان لفظوں میں ذکر کیا "انھم باللیل رھبانٌ و بالنھار فرسان" یعنے وہ رات کو زاہد شب زندہ دار ہیں اور دن کو بہادر شہسوار ہیں۔

ہر حال میں عدل و انصاف پر قائم اور ہر معاملے میں احسان کے تقاضے کو پورا کرنا اسلام کا ناطق حکم ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے۔ ان اللہ یأمرکم بالعدل والاحسان۔ دونوں کو مطلق چھوڑ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ عدل و انصاف کا برتاؤ ہر ایک کے ساتھ لازم ہے۔ اس میں خویش و اقارب، اجنبی اور دوست و دشمن کا امتیاز کرنا جرم ہے۔ قرآن کریم کا یہ بھی ارشاد ہے "ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ" اس عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں پر یہ پابندی عائد ہے کہ وہ صرف اس کو تہ تیغ کریں جو عملاً لڑائی میں حصہ لے رہا ہو۔ اور اسے بھی قتل اس طرح سے کریں کہ احترامِ آدمیت مجروح نہ ہونے پائے یعنی اس کو مثلہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ نہ اس کی اجازت ہے کہ دشمن کے بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور جنگ سے کنارہ کش لوگوں کو گزند پہنچایا جائے۔ غنیم کے

---

[۱] رحمۃ للعالمین جلد سوم　[۲] بحوالہ تقریر علامہ شمس الافغانی ۱۷ مارچ ۱۹۷۶ء بمقام روس کیمپل ہال اسلامیہ کالج پشاور
[۳] اداریہ۔ روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی ۳ مئی ۱۹۷۵ء۔

اموال کو بھی ناجائز طریقے سے نقصان پہنچانا ممنوع ہے۔ مثلاً کھیتوں، باغات اور فصلوں کو تباہ کرنے کی اجازت ہے نہ مویشیوں کو ہلاک کرنے کی اجازت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جب بھی لشکر کسی مہم پر روانہ کیا جاتا تو اسے امر کیا جاتا کہ ولا تمثلوا ولا تقتلوا کبیراً ولا طفلا ولا امرءۃً [۱]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قبیلہ عرنیہ کے چند آدمی مدینہ طیبہ آئے۔ اسلام لائے، کچھ دن رہ کر بیمار ہوئے مدینہ کی آب و ہوا انہیں راس نہ آئی۔ حضور علیہ السلام نے انہیں ہدایت کی کہ وہ مدینہ سے باہر جہاں صدقات کے مویشی ہیں چلے جائیں، ان مویشیوں کا دودھ وغیرہ پیا کریں۔ چنانچہ وہ وہاں گئے۔ چند دنوں میں بیماری سے اچھے ہو گئے۔ تندرست ہو کر مستی میں آکر مرتد ہو گئے۔ مسلمان چرواہے کو طرح طرح کی اذیتیں دے دے کر شہید کر دیا اس کی آنکھوں میں کانٹے چبھو دیئے۔ اس کی ناک اور کان کاٹ دیئے اور صدقات کے مویشی ہنکا کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں کو اطلاع ہوئی تو ان کے تعاقب میں دوڑے، کچھ فاصلے پر ان کو گھیر لیا۔ اس وقت کے قانونِ قصاص کے مطابق ان کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی گئی انہیں قتل کر دیا گیا اور مثلہ بنایا گیا۔ اس واقعہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا اثر ہوا کہ بعد میں اس واقعہ کو یاد کر کے اظہارِ ندامت فرماتے۔ اللہ سے توبہ استغفار کرتے۔ خیرات کرتے اور مسلمانوں کو بھی توبہ و استغفار اور کثرت سے صدقات دینے کا امر فرماتے۔

حضرت ابوبکرؓ نے خلافت سنبھالنے کے بعد جیشِ اسامہؓ کو روانہ کیا۔ آپؓ نے اسے یہ تلقین فرمائی [۳]"لا تخونوا ولا تغدروا ولا تغلوا ولا تمثلوا ولا تقتلوا طفلاً ولا شیخاً کبیراً ولا تغرقوا نخلاً ولا تحرقوہ، ولا تقطعوا شجرۃً مثمرۃً ولا تذبحوا شاۃً ولا بقرۃً ولا بعیراً الا للاکل واذا مررتم بقوم فرغوا انفسھم لہ" نہ خیانت کرو۔ نہ عہد شکنی کرو۔ نہ مالِ غنیمت میں نقصان کرو۔ نہ مثلہ بناؤ۔ بچوں اور بڑے بوڑھوں کو قتل نہ کرو۔ کھجوروں کے باغات کے درختوں کو نہ اکھیڑو اور نہ انہیں جلاؤ۔ اور نہ پھل دار درختوں کو کاٹو۔ بکری، گائے اور اونٹوں کو ذبح نہ کیا کرو البتہ اگر کھانا مقصود ہو۔ اور جب تم ایسے لوگوں کے پاس سے گزرو جنہوں نے عبادت گاہوں میں عبادت کے لئے کنارہ کشی اختیار کی ہو تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔

حضرت عمرؓ نے رومن حکومت کے ساتھ برسرِ پیکار مسلمان عساکر کے سپہ سالار کو جو احکام دیئے تھے ان میں مذکورہ احکام کے ساتھ سرِ فہرست خوفِ خدا کی تلقین تھی۔ یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ فوجی چھاؤنی کو آبادی سے دور رکھو اور جس کے تقویٰ پر تمہارا پورا اطمینان نہ ہو اسے آبادی میں جانے کی ہرگز اجازت نہ دو [۴]۔

اسلامی آدابِ جنگ میں یہ بات ضروری قرار دی گئی ہے کہ دورانِ جنگ بھی وعدے کا پاس و لحاظ رکھا جائے۔ چنانچہ حکم یہ ہے کہ اگر برسرِ پیکار دشمن سے کوئی بات طے ہو جائے تو اس کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔ اس لئے کہ یہ غدر ہے

---

[۱] طبقات ابن سعد [۲] بخاری شریف کتاب المغازی [۳] اتمام الوفاء فی سیرت الخلفاء
[۴] اتمام الوفاء

اور غدر اسلام کی نظر میں بہت بڑا جرم ہے[1]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غدر کو شکست کا سبب قرار دیا ہے کیونکہ اس سے خواہ ظاہری کامیابی حاصل بھی ہو جائے لیکن اس سے اخلاقی شکست ہوتی ہے۔ اور اخلاقی شکست اسلامی نقطۂ نظر سے مادی شکست کے مقابلہ میں زیادہ ہلاکت انگیز ہے۔ فارس میں جو اسلامی عساکر کفار کے ساتھ مصروفِ جنگ تھے۔ انہیں حضرت عمرؓ نے لکھا تھا کہ "مجھے[2] یہ خبر پہنچی ہے کہ تم علجیوں (عجمی کفار) کو کہتے ہو "مترس"، یعنی ڈر و مت۔ اس پر جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو تم انہیں قتل کرتے ہو۔ حالانکہ اسلامی قانون کی رو سے یہ امان کے الفاظ ہیں۔ خبردار! اگر آئندہ کسی سے ایسی حرکت صادر ہوئی تو وہ سخت سزا کا مستوجب ہوگا۔

جب کسی مقام میں فتنہ و فساد اور ظلم و عدوان کا دور دورہ ہو۔ انسانی زندگی تباہی و بربادی کے کنارے پہنچ چکی ہو تو اسلامی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان لشکر وہاں جا کر حالات درست کرے خواہ طاقت کا استعمال کیوں نہ کرنا پڑے۔ چنانچہ خلفاء راشدین کے زمانے تک اسلامی لشکر جس علاقے میں پہنچتا تو اپنی آمد کا مقصد یہی پیش کرتا تھا "جئنکم[3] لنخرجکم من جود الادیان الی عدل الاسلام" یعنی جب ان سے ان کی آمد کا مقصد پوچھا جاتا تو وہ بتاتے کہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ تمہیں باطل نظاموں کے ظلم سے نجات دلا دیں اور تم میں اسلامی عدل و انصاف کا چرچا کریں۔ یہ صرف دعویٰ ہی نہیں تھا بلکہ مسلمان اپنے طرزِ عمل سے اس کا ثبوت بھی فراہم کرتے تھے۔ چنانچہ شام کا ایک شہر حمص فتح ہوا تو وہاں کے لوگوں سے ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کے انتظام پر اٹھنے والے خرچہ کے لئے جزیہ کے نام سے کچھ رقم وصول کی گئی۔ پھر جنگی ضرورت کی بناء پر شہر حمص سے نکلنا ضروری ہوا۔ تو اسلامی افواج کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہؓ نے حمص کے فوجی گورنر کو حکم دیا کہ حمص والوں سے جزیہ کی رقم جس کام کے عوض وصول کی گئی تھی چونکہ اب ہم اس کام کے کرنے سے قاصر ہو رہے ہیں اس لئے جزیہ کی رقم واپس کی جائے۔ گورنر نے حمص کے سرکردہ لوگوں کو بلایا۔ انہیں صورتِ حال سے آگاہ کر دیا اور جزیہ کی رقم ان کے سامنے رکھ دی۔ تو انہوں نے مسلمانوں کے واپس جانے پر نہایت افسوس کا اظہار کیا۔ اور یہ کہہ کر جزیہ کی رقم کو واپس لینے سے انکار کیا۔ "واللہ نحن لفضلکم علی الروم وان الجزیۃ لکم علی رقابنا"[4] خدا کی قسم ہم تمہیں رومیوں پر ترجیح دیتے ہیں اور ہم تمہیں جزیہ ہمیشہ ادا کرتے رہیں گے"۔ باوجودیکہ رومی اور حمص والے ہم مذہب تھے لیکن مسلمانوں کا سلوک ان کے ساتھ اس قدر عادلانہ اور مشفقانہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے ماتحت رہنے میں خوشی اور مسرت محسوس کرتے تھے۔ انہیں جسمانی اور ذہنی طور پر بڑا سکون میسر آیا تھا۔ ان کی جان و مال اور آبرو محفوظ ہو گئی تھی۔

ایرانی شہنشاہیت کے ساتھ آخری بڑا معرکہ جنگِ قادسیہ ہے۔ اس کے لئے جب ایران کا نامی گرامی سپہ سالار رستم آ رہا تھا۔ تو مقامِ کوثی میں ایک عرب مسلمان کے ساتھ ملاقی ہوا۔ رستم نے اسے کہا تم یہاں کس لئے آئے ہو؟ اس نے کہا اللہ تعالےٰ کا ہمارے ساتھ وعدہ ہے کہ وہ ہمیں اس سرزمین کا مالک بنائے گا۔ رستم نے کہا اگر اس میں کامیاب ہونے سے

---

[1] ابن کثیر، سورۂ توبہ - مشکوٰۃ کتاب الجہاد [2] اتمام الوفاء [3] اتمام الوفاء
[4] اتمام الوفاء - فتح الحمص - تاریخ اسلام اکبر شاہ خان نجیب آبادی

قبل تم ختم ہوگئے۔ عربی نے کہا، کوئی پرواہ نہیں۔ من قتل منا دخل الجنۃ و من بقی انجزہ اللہ وعدہ فنحن علی یقین،
قال رستم قد وضعنا اذاً فی ایدیکم۔ قال العربی اعمالکم وضعتکم فاسلمکم اللہ بھا [۱] یعنی ہم میں سے جو قتل ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو باقی بچے گا اللہ اس کے ساتھ اپنا وعدہ پورا کرے گا ہمیں اس پر کامل یقین ہے۔ تو رستم نے کہا تب تو تمہاری ماتحتی ہمارے لئے بڑی ذلت و رسوائی کا سبب ہوگی۔ عربی نے کہا۔ درحقیقت تمہارے اعمال نے تمہیں ذلیل کردیا ہے اور اپنے اعمال کے سبب تم اللہ تعالیٰ کے فضل و رحم سے محروم ہوگئے ہو اور تم اپنے اردگرد جو سپید جاہ و حشم دیکھتے ہو اس سے دھوکہ نہ کھانا۔ اس لئے کہ تمہارا مقابلہ انسانوں کے ساتھ نہیں تقدیر کے ساتھ ہے۔ ان باتوں سے رستم غضب ناک ہوگیا اور اس عرب مسلمان کو قتل کر دیا۔ جب رستم کا لشکر آگے بڑھا اور مقام برس پہنچا تو وہاں کے لوگوں کے بچوں اور مالوں کو چھین لیا۔ شراب پی لی اور وہاں کی عورتوں کے ساتھ زبردستی بدکاریاں کیں۔ چنانچہ برس والوں نے رستم سے شکایت کی۔ اور کہا کہ ہم تو سلطنتِ ایران کی رعایا ہیں۔ اپنی فوج کا اپنے لوگوں کے ساتھ یہ سلوک؟ اس سے قبل تو مسلمانوں نے یہاں بزور قبضہ کیا تھا۔ وہ ہمارے ساتھ رہے۔ ان کا سلوک ہمارے ساتھ نہایت اچھا تھا۔ ان کے ہاتھوں ہمارا مال، ہماری جانیں اور ہماری آبرو محفوظ تھی۔ یہ شکایت سن کر رستم نے کہا کہ بخدا اس عربی نے سچ کہا تھا کہ ہمارے اعمال نے ہمیں ذلیل اور کمزور کر دیا ہے۔ یہ تھا مسلمانوں کا طرزِ عمل دشمنوں کے ساتھ۔

اسلامی آدابِ جنگ میں سے یہ ہے کہ جب تک دشمن کو پہلے سے مطلع نہ کیا جائے جنگ شروع نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس اسلامی حکم کے تحت مسلمانوں کا طریقہ یہ تھا کہ جب وہ کسی قوم کے ساتھ جنگ کرتے تو پہلے وہاں کے سربراہ کو ان الفاظ سے یاد کرتے تھے اختر بین ثلث اما ان تسلم فتسلم او الجزیۃ او لا فیکون بیننا و بینکم حرب [۲]۔ تین باتوں میں سے ایک منتخب کرلو یا اسلام لاؤ تو سلامتی پاؤ گے یا جزیہ دینا قبول کرلو ورنہ تو پھر ہمارے اور تمہارے درمیان جنگ ہوگی۔

جب کہ تہذیب کی بلند بانگ دعوے کرنے والی مہذب اور ترقی یافتہ قوموں کا حال یہ ہے کہ جاپان نے چین کے خلاف پانچویں بار ۱۹۳۰ء میں، اٹلی نے حبشہ پر ۱۹۳۵ء، جرمنی نے پولینڈ پر ۱۹۳۹ء، ۱۹۴۱ء میں روس پر، روس نے ۱۹۴۱ء میں فن لینڈ پر کسی اعلانِ جنگ کے بغیر قبضہ کیا۔ اور ۱۹۶۵ء میں امریکہ نے بغیر اعلانِ جنگ کے ویٹنام پر بمباری شروع کی۔
۱۹۴۹ء میں دوسری ہیگ کانفرنس میں بڑی بحث و تمحیص اور ردّ و قدح کے بعد طے ہوا کہ لڑائی اس وقت تک شروع نہ کی جائے جب کہ اس سے پہلے واضح طور پر اس کی تنبیہ کر دی جائے۔ جو ایک مدلّل اعلانِ جنگ کی صورت میں ہو۔ یا ایک مشروط الٹی میٹم کی شکل میں ہو۔ اور اس اعلان کی اطلاع غیر جانبدار قوموں کو دی جائے [۳]۔
اسلام نے جنگی قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا امر کیا ہے۔ اسی امر کے بجالانے کے سبب سے صدرِ اوّل میں مسلمانوں نے

---

[۱] اتمام الوفاء۔ وقعۃ القادسیہ [۲] تاریخ الحضارۃ الاسلامی — تاریخ الخلفاء
[۳] آرٹیکل ۱ و ۲، معاہدات و ضوابط

جنگی قیدیوں کے ساتھ جو حسنِ سلوک کیا ہے۔ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ غزوۂ بدر[۱] کے قیدیوں کا بیان ہے کہ مسلمان سپاہی خود بھوکے رہتے یا کھجوروں پر بسر اوقات کرتے اور اپنا کھانا قیدیوں کو دیتے تھے۔ ان کی شان میں قرآن نے کہا ہے ویطعمون[۲] الطعام علی حبہ مسکیناً ویتیماً واسیراً ہ

دشمن کی فوجیں جب فاتح کی حیثیت سے مفتوحہ علاقے میں داخل ہوتی تھیں یا داخل ہو رہی ہیں تو ان کے داخلہ کا خاکہ قرآنِ کریم نے ان الفاظ میں کھینچا ہے ۔۔ ان[۳] الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ وکذلک یفعلون ہ ۔۔

لیکن فتح کے بارے میں اسلامی آدابِ جنگ یہ ہیں کہ فتح پر اترانے خوشی کے شادیانے بجانے اور جشن منانے کی بجائے خدا کے حضور میں سجدۂ شکر بجا لایا جائے۔ مفتوحہ علاقے میں داخل ہونے کے وقت ہر ممکن کوشش کی جائے کہ کسی قسم کا خون خرابہ نہ ہو۔ بلکہ ایسا انتظام کیا جائے کہ فاتح فوج کا داخلہ مفتوح قوم کے لئے باعثِ آرام ، راحت اور عزت ہو اور ہو سکے تو مجرموں کو معاف کر دیا جائے۔ مثال کی ضرورت ہو تو فتح مکہ کو سامنے رکھا جائے ۔۔۔۔

(۱؎ اسلام اور اسیرانِ جنگ ۲؎ سورۃ الدھر ۳؎ سورۃ النمل)


## پیش کش مطلوب ہیں

دواساز اداروں اور ڈسٹری بیوٹروں سے ادویات کی ترسیل کیلئے پیش کش مطلوب ہے۔ سامان متعلقہ کی فہرست دفتر میں موجود ہے۔ اور اوقاتِ کار کے دوران حاصل کی جا سکتی ہے۔ پیش کش میں وضاحت کریں کہ :- ا- تیار کنندہ فرم کا نام ۔ آغاز کار کا مقام۔

ب- بغیر پیک کئے ہوئے سامان کی ترسیل اور اخراجات ترسیل

پیش کش زیادہ سے زیادہ ۱۵/۱۰/۷۶ تک پہنچنی چاہیئے۔

کسی بھی پیش کش کو منظور کرتے، پیش کش کھولنے کی تاریخ میں تاخیر کرنے یا بغیر وجہ بتائے خریداری سے انکار کرنے کا حق محفوظ ہے۔

دستخط

ڈاکٹر محمد ظریف اورکزئی
ایڈمنسٹریٹر۔ حیات شہید ٹیچنگ ہسپتال
پشاور

INF (P) - 1366